صِبغۃ اللہ

جناب حافظ محمد ادریس صاحب

(۲)

تاریخ میں ایسے بے شمار نمونے میرے سامنے ہیں جہاں پورے خاندان پر صبغۃ اللہ غالب نظر آتا ہے۔ پورا گھرانہ بقعۂ نور اور گھرانے کا ہر فرد روشنی کا مینارہ بن کر نمودار ہوتا ہے۔ یہاں میں ایک مثال دورِ صحابہؓ سے پیش کرنا چاہتا ہوں، جو صبغۃ اللہ کی اعلیٰ جھلک دکھاتی ہے ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آپؐ کے جان نثار بڑے ذوق و شوق سے آتے تھے اور نہایت ادب و احترام سے بیٹھتے تھے ۔ ہر بات کو غور و توجہ سے سنتے اور دل میں بٹھا لیتے تھے۔ کوئی اشکال پیش آتا تو سوال پوچھتے اور وضاحت ہو جاتی تو بیٹھے سر دھنتے کے بجائے سراپا عمل بن جایا کرتے تھے ۔ ایک مرتبہ مجلسِ نبویؐ میں حضور اکرمؐ کی زبان مبارک سے ایک آیت کریمہ سنی گئی ۔ وہ آیت جو ہم روزانہ پڑھتے ہیں اور پڑھ کر گذر جاتے ہیں حضورؐ نے آیت پڑھی:

مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یُقۡرِضُ اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا ۔ (الحدید ۔ آیت ۱۱)

کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسنہ دے تاکہ اللہ اُسے کئی گنا بڑھا کر واپس دے۔

مجلس میں حضورؐ کے قریب بیٹھے ہوئے ایک نوجوان صحابی نے آیت سُن کر ایک سوال پوچھا " یارسول اللہ! کیا اللہ ہم سے قرض مانگتا ہے؟" سوال بڑا معصومانہ مگر موقع محل کے عین مطابق تھا ۔ آخر اللہ کو قرض مانگنے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ غنی ہے اور اس کے خزانوں میں کسی چیز کی کمی نہیں ۔ وہ بے بس و بے کس بندوں سے قرض کیوں کر مانگتا ہے؟ اس سوال

کے جواب میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "ہاں! اے ابوالدحداح"، یہ ابودحداح رضی اللہ عنہ مدینہ کے انصاری صحابی تھے۔ کھیتی باڑی اور باغبانی ذریعہ معاش تھا۔ نوجوان تھے اور نوجوانی میں عموماً لوگ معیار زندگی کو بلند کرنے کی فکر میں مشغول رہتے ہیں۔ مگر یہ نوجوان تو صبغۃ اللہ میں رنگا ہوا تھا۔ وہ اللہ کی رضا کا طلب گار اور جنت کا خریدار تھا۔ نوجوان ابودحداح رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ " یارسول اللہ! اپنا دستِ مبارک تو بڑھائیے۔ جب آپ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تو انہوں نے دستِ رسالت مآب میں اپنا ہاتھ دے کر کہا "میرے آقا! آپ گواہ رہیں کہ میں نے اپنا باغ اللہ کو قرض دے دیا ہے"۔

یہ باغ کوئی معمولی باغ نہ تھا۔ اِس میں کھجور کے پھل دینے والے چھ سو درخت تھے۔ ٹھنڈے میٹھے پانی کا کنواں تھا۔ باغ کے گرد فصیل بنی ہوئی تھی اور اسی باغ کے اندر ان کا چھوٹا سا مکان تھا، جہاں ان کی بیوی اور ان کا بچہ دحداح تھا۔ یہ نوجوان اپنی بھرپور جوانی کے ساتھ صبغۃ اللہ میں رنگا ہوا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اللہ کے ساتھ ایمان کی صورت میں اس نے ایک سودا کر رکھا ہے۔ جان اور مال اُس نے بیچ دیئے ہیں اور بدلے میں اُس کے مالک نے اس سے جنت کا وعدہ کیا ہے۔ اس خوش قسمت نوجوان کے بڑے بلند نصیب تھے کہ صبغۃ اللہ اس کی ذات تک محدود نہ تھا، بلکہ اس کے پورے گھرانے کو اُس نے مالا مال کر رکھا تھا۔ ایمان کی بلندیوں سے کوئی مومن ایسا انقلابی اور قابلِ داد فیصلہ کر سکتا ہے، مگر اس پر عمل کرنے میں دِقتیں پیش آنے لگتی ہیں۔ بیوی بچے پاؤں کی زنجیر بن جاتے ہیں۔ عزیز و اقارب راستے کا روڑا بن جاتے ہیں۔ اس کے باوجود بندۂ مومن وہ کچھ کر گزرتا ہے جس کا اُس نے عہد کیا ہوتا ہے، مگر یہ وہی شخص جانتا ہے کہ کس قدر مشکل سے یہ مرحلہ اُسے سر کرنا پڑتا ہے۔ پھر کبھی کبھار تو قدم ڈگمگا بھی جاتے ہیں اور حالات انسان کو مجبور کر ڈالتے ہیں۔ انسان اس بات پر کڑھتا رہتا ہے کہ اُسے جن لوگوں کا راعی بنایا گیا ہے وہ کیوں اس رنگ کو نہیں اپناتے جو سب سے پیارا، سب سے اچھا، سب سے زیادہ نفع بخش اور خالص رنگ ہے۔

اب آیئے ذرا ایک نظر اس خوش قسمت گھرانے کے افراد کو دیکھ لیں جو سب صبغۃ اللہ

سے سرشار تھے۔ ابو دحداح حضور اکرم کی مجلس سے جو عہد کر کے اُٹھے تھے، اب اس کی اطلاع اپنی اہلیہ کو دینے کے لیے اپنے باغ کی طرف چلے۔ آیئے ہم بھی تھوڑی دیر کے لیے اس باغ کے دروازے پہ پہنچ جائیں اور وہ ایمان پرور مکالمہ سُن لیں جو تاریخ کے سینے میں آج بھی جگمگ کر رہا ہے۔ ابودحداح اب دروازے پہ آ پہنچے ہیں۔ دروازے پہ ان کے قدم رُک گئے ہیں۔ وہیں کھڑے کھڑے آواز دیتے ہیں۔

"اے دحداح کی ماں"، اُدھر سے جواب آتا ہے "لبیک یا ابا دحداح"
فرماتے ہیں "اپنے بچے کو اُٹھا لو اور اس باغ میں سے نکل آؤ۔ میں نے یہ باغ اللہ کو قرض دے دیا ہے"۔ اپنے بچے کو اُٹھا رہی ہیں اور وہیں سے کہہ رہی ہیں "دحداح کے ابو تمہیں مبارک ہو، خدا کی قسم! تم نے جو سودا کیا ہے، اس میں کوئی خسارہ نہیں ہے"۔ (ابن کثیر سورہ الحدید بحوالہ ابن ابی حاتم بروایت ابن مسعود)

سُبحان اللہ! کیا شان ہے صبغۃ اللہ کی! مال کی قربانی کی باتیں تو بہت لوگ کرتے ہیں۔ اِس بارے میں آیاتِ قرآنی اور احادیثِ مقدسہ کا مطالعہ بھی بہت کیا جاتا ہے، مگر صبغۃ اللہ کا امتحان تو مطالعے اور حوالہ جات کا مرہون نہیں ہوتا۔ یہ امتحان تو اُس وقت ہوتا ہے جب اللہ کی طلب پر مال پیش کر دیا جائے۔ اور اس سودے کو خسارے کا سودا نہ سمجھا جائے۔ امتحان کی گھڑی میں پتہ چل جاتا ہے کہ اصلی رنگ کس نے اپنایا ہے اور نقلی رنگ کس کے حصّے میں آیا ہے۔

ہمارے پاس یہ کسوٹیاں ہیں جو کھرا اور کھوٹا بالکل واضح کر دیتی ہیں۔ ہمیں ان کسوٹیوں پر اپنے آپ کو پرکھ کر اپنا جائزہ لیتے رہنا چاہیے۔

دُنیا میں بڑے بڑے بھڑکیلے رنگ نظر آتے ہیں۔ یہ اہلِ دُنیا کو خیرہ کر دیتے ہیں۔ لوگ انہیں دیکھ کر پکار اُٹھتے ہیں کہ صاحبِ رنگ بڑا خوش نصیب ہے۔ یہ ہوس پرستوں کی کوتاہ بینی ہوتی ہے۔ درحقیقت نہ وہ خوش نصیب ہے، نہ اُس کا رنگ کسی کام کا۔ یہ سب جھوٹ اور تصنع ہوتا ہے۔ آج موجود ہے، کل عنقا! فرعونی رنگ، قارونی رنگ، جاہلی رنگ، مادہ پرستانہ رنگ، غرض جھوٹے نگوں کی یہ سب ریزہ کاری اور سحر انگیزی محض سراب اور دھوکہ

ہے۔ ان جھوٹے رنگوں میں رنگے جانے والے بھی اپنے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں اور انہیں دیکھنے والے بھی۔ ان رنگوں کی ترجمانی قرآن مجید کے الفاظ میں یوں کی گئی ہے۔

"ایک روز فرعون نے اپنی قوم کے درمیان پکار کر کہا۔" لوگو، کیا مصر کی بادشاہی میری نہیں ہے۔ اور یہ نہریں میرے نیچے نہیں بہہ رہی ہیں، کیا تم لوگوں کو نظر نہیں آتا؟ میں بہتر ہوں یا یہ شخص جو بے وقعت و حقیر ہے اور اپنی بات بھی کھول کر بیان نہیں کر سکتا؟ کیوں نہ اس پر سونے کے کنگن اتارے گئے؟ یا فرشتوں کا ایک دستہ اس کی اردلی میں نہ آیا؟" اس نے اپنی قوم کو ہلکا سمجھا اور انہوں نے اس کی اطاعت کی، درحقیقت وہ تھے ہی فاسق لوگ۔ آخر کار جب انہوں نے ہمیں غضبناک کر دیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا۔ اور ان کو اکٹھا غرق کر دیا اور بعد والوں کے لیے پیش رو اور نمونۂ عبرت بنا کر رکھ دیا۔"

(سورہ زخرف۔ آیات ۵۱ تا ۵۶)

یہ تو شہنشاہیت کے رنگ میں رنگے ہوئے ایک فسوں زدہ حکمران کی خودستائی و نمود کا نمونہ ہے۔ ایک اور نمونہ دیکھیے، جسے دیکھنے والوں نے اپنی کم عقلی کی وجہ سے قابلِ رشک گردانا۔

"ایک روز وہ (قارون) اپنی قوم کے سامنے پورے ٹھاٹھ میں نکلا۔ جو لوگ حیاتِ دنیا کے طالب تھے وہ اسے دیکھ کر کہنے لگے۔" کاش ہمیں بھی وہی کچھ ملتا جو قارون کو دیا گیا ہے۔ یہ تو بڑے نصیبے والا ہے"۔ مگر جو لوگ علم رکھنے والے تھے وہ کہنے لگے۔" افسوس تمہارے حال پر، اللہ کا ثواب بہتر ہے اس شخص کے لیے جو ایمان لایا اور نیک عمل کیے اور یہ دولت نہیں ملتی مگر صبر کرنے والوں کو۔"

آخر کار ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا۔ پھر کوئی اس کے حامیوں کا گروہ نہ تھا۔ جو اللہ کے مقابلے میں اس کی مدد کو آتا۔ اور نہ وہ خود اپنی مدد آپ کر سکا۔ اب وہی لوگ جو کل اس کی منزلت کی تمنا کر رہے تھے

کہنے لگے " افسوس ہم بھول گئے تھے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کا رزق چاہتا ہے کشادہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تُلا دیتا ہے۔ اگر اللہ نے ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو ہمیں بھی زمین میں دھنسا دیتا "
(سورہ القصص - آیات ۷۹ تا ۸۲)

یہ چھوٹے مگر شوخ رنگ ہر دور میں موجود رہے ہیں - آج بھی فرعونی رنگ اور قارونی رنگ دُنیا میں دیکھا جا سکتا ہے - یہ دُنیا تو رنگوں کی آماج گاہ ہے - سرمایہ داری کا رنگ، عسکری قوت کا رنگ، شہزادگی کا رنگ اور نہ جانے کون کون سے رنگ! آپس میں یہ سب رنگ مختلف بھی ہوں تو ان رنگوں میں رنگے ہوئے عناصر کی فکر اور ذہنیت ایک جیسی ہوتی ہے - اور ان کا انجام بھی کم و بیش یکساں ہی ہوتا ہے - انجام کو دیکھ کر یہ رنگ کافور ہو جاتا ہے - اور رشک کرنے والے یہ حالت دیکھ کر سر پیٹ لیتے ہیں کہ وہ کس دھوکے کا شکار ہو گئے تھے یہ رنگ رنگیلے، شوخ بھڑکیلے لوگ تاریخ کی گیلریوں میں جگہ جگہ نشانِ عبرت بنے بے بسی اور حماقت کا منہ بولتا ثبوت ہیں - جس طرح یہ عناصر ماضی میں اپنے انجام کو پہنچے تھے - آج بھی اس سے دوچار ہوتے رہتے ہیں -

صبغۃ اللہ کے کمالات بے شمار اور اس کی عظمت بے حد و بے انتہا ہوتی ہے - یہ رنگ تختِ شاہی پر بھی ہر دوسرے رنگ کی آمیزش سے پاک رہتا ہے اور تختۂ دار پر بھی کبھی پھیکا نہیں پڑتا - اسے تاریخ نے بارہا آزمایا - تلوار کی تیز دھار پر اس کا امتحان لیا - اقتدار کے ایوانوں میں لے جا کر اسے آزمایا، خوشی کے لمحات میں اسے پرکھا اور غم کی گھڑیوں میں اُسے جانچا، رضا کی انتہائی گہرائیوں میں اُسے ناپا اور غصے کی بلند ترین چوٹی پر اسے تولا - ہر مرتبہ اُسے اصلی اور کھرا پایا -

ایک مثال تاریخ کے صفحات سے اور دیکھ لی جائے - صبغۃ اللہ کس طرح انسان کی کایا پلٹ دیتا ہے - ایک شہزادہ نیک دل و نیک نہاد، پاکیزہ صفت، پاک باز، مگر رنگ بہرحال شہزادگی کا اپنائے ہوئے تھا - ایک پاکیزہ ترین خطے کا گورنر بنا دیا گیا - اس شہزادے میں عام شہزادوں جیسا کوئی عیب تو نہ تھا - مگر اس نے رنگِ شہزادگی سے

دست کش ہونے کا ابھی فیصلہ نہ کیا تھا۔ وہ اپنے غلام کو حکم دیتا ہے کہ اس کے لیے بازار سے ایک جوڑا کپڑوں کا خرید لائے۔

غلام شہزادے کی نفاست و جمال پسندی سے واقف تھا۔ شہر کا ہر بازار اور ہر تاجر کی ہر دکان اس نے چھان ماری۔ بالآخر ایک پارچہ اس نے پسند کیا اور ایک جوڑا ۱۲۰۰ درہم میں خرید لیا۔ اس سے زیادہ قیمتی، ملائم اور اچھا کپڑا اس شہر میں کسی کے پاس نہ تھا۔ کپڑا شہزادے کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ خوش ذوق شہزادے نے ایک نظر کپڑے کو دیکھا، پھر ہاتھ سے اسے ٹٹولا اور کہا: "کتنا کھُردرا کپڑا لائے ہو؟ اس سے بہتر کپڑا بازار میں نہیں تھا؟"

وقت گذرتا رہا۔ آخر ایک دن اس شہزادے کو تخت و تاج سنبھالنے کا مژدہ سنایا گیا۔ اس وقت تک اس کا رنگِ شہزادگی اُتر چکا تھا۔ اب وہ صبغۃ اللہ کے رنگ میں رنگ چکا تھا۔ اس نے بظاہر یہ خوش آئند خبر سنی تو سکتے میں آ گیا۔ اس نے آنکھیں جھکا لیں۔ پھر سر اوپر اُٹھایا اور فکر میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہا: "لوگو! مجھ پر خلافت کا بار میری مرضی کے بغیر ڈال دیا گیا ہے اور عام مسلمانوں سے بھی مشورہ نہیں لیا گیا۔ میری بیعت کا جو قلادہ تمہاری گردن میں ہے اس کو میں خود نکال لیتا ہوں۔ تم جسے چاہو اپنا خلیفہ مقرر کر لو۔" مگر تمام لوگوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ وہ آپ کی خلافت پر راضی ہیں۔

اس نے صبغۃ اللہ کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ ملوکیت سر پیٹ کر رہ گئی۔ وہ اپنا رنگ روپ کھو بیٹھی، تلملاتی رہی اور غراتی رہی، مگر صبغۃ اللہ میں رنگے ہوئے اس عظیم انسان نے اس کی ایک نہ سنی۔ اس نے خلافت راشدہ کی تجدید کی اور پہلی صدی کا مجدد کہلایا۔ تاریخ اسے آج بھی ادب سے جھک کر سلام کرتی ہے۔ وہ اسلامی تاریخ کے ماتھے کا جھومر ہے۔ اسے لوگ اسلام کے خلیفۂ راشد عمر بن عبدالعزیز کے نام سے جانتے ہیں۔ اس کی نظروں میں شہزادگی و شہنشاہیت کے رنگ بے وقعت و بے حیثیت بن کر رہ گئے تھے۔ اس نے خوب سمجھ سوچ کر صبغۃ اللہ کا رنگ اپنایا تھا۔

آج پھر اُس نے اپنے غلام کو بلایا۔ اُس کے جسم کا لباس بوسیدہ ہو چکا تھا۔ اُسے ایک نئے جوڑے کی ضرورت تھی۔ غلام سے کہا کہ کپڑا خرید لائے۔ غلام بازار میں گیا۔ پہلے ہی پارچہ فروش کے پاس اُس نے ایک کپڑا دیکھا، اُسے پسند آگیا اور دو درہم فی گز کپڑا خرید لیا۔ غلام نے کپڑا آقا کی خدمت میں پیش کیا۔ آقا نے کپڑے کو ہاتھ میں لیا اور خوشی سے کہا "یہ بڑا نفیس اور نہایت ملائم کپڑا ہے۔"

تختِ شاہی پر صبغۃ اللہ عجیب رنگ اور بہار دکھاتا ہے۔ صبغۃ اللہ میں رنگا ہوا یہ حکمران ایک رات نماز کے بعد اپنے گھر آتا ہے۔ اپنی بچیوں کے کمرے میں جاکر ان کا حال احوال پوچھتا ہے۔ اُسے اپنی بچیوں سے بے پناہ پیار ہے۔ اور اس کی بچیاں بھی اس سے بے تحاشا محبت کرتی ہیں۔ بچیاں اپنے باپ کے سوالوں کا جواب دیتے وقت منہ پر اپنے دوپٹے کا پلو ڈالے ہوئے ہیں۔ باپ نے وجہ پوچھی تو بچیوں نے کہا "ابا جان! آج گھر میں روکھی روٹی اور پیاز کے سوا کھانے کو کچھ نہ تھا۔ ہم نے پیاز کے ساتھ روٹی کھائی ہے جس کی وجہ سے منہ سے بو آرہی ہے۔ اس لیے ہم نے منہ کو ڈھانپ رکھا ہے۔" باپ کا دل بھر آیا۔ اپنی بچیوں کو سینے سے لگا لیا۔ باپ بھی رویا اور بیٹیاں بھی سسکیاں لینے لگیں۔ پھر باپ نے کہا "میری بچیو! اگر تمہارا باپ چاہتا تو ساری دُنیا کی دولت تمہارے قدموں میں لاکر ڈھیر کر دیتا مگر اس صورت میں تم اور تمہارا باپ دوزخ کا ایندھن بن جاتے۔ تمہارے باپ نے فیصلہ کیا کہ دُنیا کی عارضی زندگی روکھی سوکھی کھا کر گزار لی جائے اور دوزخ کی آگ سے اپنے آپ کو بچا لیا جائے۔"

اب نہ بچیوں کو کوئی شکوہ تھا نہ باپ کو کوئی غم۔ ہمیں بھی سوچنا چاہیے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم نے دعویٰ تو صبغۃ اللہ کا کر رکھا ہے اور رنگ کوئی دوسرا اپنا رکھا ہے۔

جماعتِ اسلامی کی دعوت سوائے اس کے کچھ نہیں کہ صبغۃ اللہ کو زندگی کے ہر میدان میں اپنا لیا جائے۔ انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی، معاشرت ہو یا معیشت، تعلیم ہو یا تجارت، سیاست ہو یا عدالت، شادی ہو یا غم ہر حال میں صبغۃ اللہ کا اہتمام۔ یہی جماعت کی دعوت ہے۔ اور یہی اس کا نصب العین۔ ہمارے اہل و عیال پر اس رنگ کا کتنا اثر ہے ہم میں سے

ہر ایک کو سوچنا چاہیے۔ ہم خود اس رنگ میں رنگ جائیں گے تبھی تو ہمارے گھر والوں پر بھی اس کا اثر ہوگا۔ ہمیں اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر اپنے دل سے پوچھنا چاہیے کہ اگر ہماری روزی تنگ کر دی جائے تو کیا ہمارے بیوی بچے حلال کی روکھی سوکھی کھانے پر قانع ہو جائیں گے؟ اگر کبھی اللہ کی راہ میں قرض حسنہ دینے کا مرحلہ آجائے تو ہم اس میں سرخرو ہو سکیں گے؟ اگر کبھی ابتلا و امتحان کی منزل آپہنچے تو ہمارا صبغۃ اللہ کا رنگ قائم رہ جائے گا؟

دورِ قدیم کی مثالیں میں نے آپ کے سامنے پیش کیں۔ میں نے آنکھوں کو اشک بار ہوتے دیکھا۔ خدا کرے کہ یہ باتیں دل میں اتر کر دیرپا اور اثر انگیز ثابت ہو سکیں۔ میں اپنی گذارشات کو دورِ جدید کی چند مثالوں پر ختم کرتا ہوں۔

صبغۃ اللہ میں رنگے ہوئے سید حسن البنا شہید کا جنازہ اٹھا تو اس کا منفرد انداز تھا۔ تاریخِ انسانی کا یہ جنازہ اپنی نوعیت کا میرے علم کی حد تک واحد جنازہ ہے شہید کے جنازے میں لوگوں کو شامل ہونے سے روک دیا گیا تھا۔ افرادِ خانہ نے جنازے کو کندھا دیا تو منظر بڑا دردناک تھا۔ گھر میں مرد نہیں تھے تو عورتوں کو جنازہ اٹھانا پڑا۔ بوڑھا نابینا باپ جس کی عمر نوے سال کے قریب ہے، اپنے جوان سال شہید بیٹے کے جنازے کو کندھا دیتا ہے۔ شہید کی بیوہ، بہن اور بیٹی نے دیگر پائے اٹھا رکھے ہیں۔

آج صبغۃ اللہ کا امتحان ہے اور واقعۃً سخت ترین امتحان ہے۔ شہید کی ۸ اسالہ بیٹی صبغۃ اللہ کی جھلک پیش کرتی ہے۔ اگر وہ اپنے عظیم باپ کی طرح صبغۃ اللہ میں رنگی ہوئی نہ ہوتی تو بے ہوش ہو کر گر پڑتی۔ اس نے بلند آواز سے اپنے باپ کو مخاطب کر کے اہلِ دنیا کو پیغام دیا۔ " ابا جان! آپ کے جنازے کے ساتھ لوگوں کا ہجوم نہیں۔ زمین والوں کو روک دیا گیا ہے، مگر آسمان والوں کو کون روک سکتا ہے؟ میں دیکھ رہی ہوں کہ شہداء کی روحوں کا قافلہ آپ کے جنازے کے ساتھ چل رہا ہے....... میں آپ سے عہد کرتی ہوں کہ پرچمِ حق کو کبھی سرنگوں نہ ہونے دوں گی۔"

صبغۃ اللہ میں رنگی ہوئی یہ بچی امتحان گاہ میں کامیاب ہو گئی ہے۔ رنگ نہ پھیکا پڑا

ہے، نہ بدلا ہے۔

اور وہ منظر تو آپ میں سے کئی لوگوں نے دیکھا ہوگا۔ میں نے بھی اسے دیکھا تھا اور وہ منظر آج بھی میری نظروں کے سامنے ہے۔ سید مودودیؒ، میرے اور آپ کے مرشد خطاب کے لیے سٹیج پر کھڑے ہیں۔ چند فقرے ہی بول پائے ہیں کہ تڑ تڑ گولیاں چلنے کی آواز آتی ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک قیمتی انسان خاک و خون میں لوٹ جاتا ہے۔ گولیوں کا رُخ صبغۃ اللہ میں رنگے ہوئے امیر جماعت کی طرف ہے۔ کہنے والوں نے گھبراہٹ کے عالم میں کہا "مولانا بیٹھ جائیے" مگر مولانا نے اطمینان اور سکون سے جواب دیا ــ "اگر میں بیٹھ گیا تو پھر کھڑا کون رہے گا"

صبغۃ اللہ کا آج پھر امتحان لیا گیا ہے۔ ہزاروں انسانوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، دوست اور دشمن سب پکار اُٹھے کہ یہ رنگ اصلی رنگ ہے۔

میرے بھائیو اور بہنو! مثالیں آپ کے سامنے ہیں۔ ایمان افروز مثالوں سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ تاریخ کے لا متناہی سلسلے میں سے چند پھول چُن کر میں نے ایک گلدستہ آپ کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ آیئے اس بات کا عہد کریں کہ اِس گلدستے کو دیکھتے ہوئے اپنا جائزہ لیتے رہیں گے۔ اور صبغۃ اللہ کے ابدی رنگ میں اپنے آپ کو رنگنے کی سنجیدہ کوشش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ